اسلام کا نظامِ امن و امان

از

(جناب مولانا محمد ظفیر الدین صاحب مفتاحی دار الافتاء دار العلوم دیوبند)

(۲)

اسلامی قوانین | امن و امان کے بنیادی اجزاء یہ ہیں کہ انسانوں کی جان محفوظ ہو، ان کی عزت و آبرو پر کوئی ہاتھ ڈالنے نہ پائے، ان کی جائداد و املاک اور دولت میں کوئی ناجائز تصرف کرنے نہ پائے، اور پبلک کے کسی فرد کا قانونی سکون و اطمینان برباد نہ ہو سکے،

اسلام نے ان تمام چیزوں کی پوری رعایت ملحوظ رکھی ہے، ہم ایک خاص ترتیب سے ان پر ایک اجمالی روشنی ڈالنے کی سعی کریں گے، دعا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں اس سلسلہ میں کامیاب فرمائے۔

جان کی محافظت اسلام میں | دنیا میں سب سے زیادہ اہمیت انسانی جان کو حاصل ہے، کہ غریب ہو یا امیر، سلطان ہو یا گدا، بچہ ہو یا جوان، مرد ہو یا عورت، شہری ہو یا دیہاتی، تعلیم یافتہ ہو یا جاہل، پھر وہ اونچے خاندان کا چشم و چراغ ہو یا محتاج و دست نگر خاندان سے تعلق رکھتا ہو، مسلم ہو یا غیر مسلم، کسی بھی دین سے متعلق ہو، مگر ایک شہری وفادار کی حیثیت سے سب کو ضمانت دی جائے، کہ وہ آزادی سے چل پھر سکے، آجا سکے، اور اطمینان و سکون سے اپنے کاموں میں منہمک رہے، تمام خطرات سے اس کے دل پاک و صاف ہوں۔

اسلام سے پہلے قتل و خوں ریزی عام تھی اور اس سے بھی بہت زیادہ جو حالت آج آزاد بھارت اور پاکستان میں ہے ہمارے ان ملکوں میں ردِ عمل اور مذہب کے نام پر قتل و خوں ریزی کا بازار گرم ہے، وہاں خاندان اور وطن کے نام پر یہ مصیبتیں تھیں، جیسا کہ اوپر اشارہ کر آیا ہوں،

قتل وخون کی روک تھام | عرب میں بچیاں زندہ درگور کی جاتی تھیں، بچے فاقہ کے خطرہ سے قتل کئے جاتے تھے، اور یہی نہیں بلکہ ذرا سی بات پر خاندان کا خاندان کٹ مرتا تھا، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری قوت سے ان کے ان جذبات کی روک تھام کی، قدم قدم پر ان کو ان کی ان حرکتوں سے باز رکھنے کی جدوجہد کی۔

یہ تو عیاں ہے کہ انسانوں میں قتل اور خوں ریزی اور فتنہ و فساد کا فطری داعیہ ہے، اور وہ بھی اتنا زبردست کہ فرشتے بھی کانپ اُٹھے تھے، اور ان کو بھی رب العالمین سے یہ درخواست کرنی پڑی تھی۔

قَالُوٓا اَتَجۡعَلُ فِيۡهَا مَنۡ يُّفۡسِدُ فِيۡهَا وَيَسۡفِكُ الدِّمَآءَ (بقرہ - ۴)

فرشتے کہنے لگے کیا آپ پیدا کریں گے زمین میں ایسے لوگوں کو جو اس میں فساد اور خونریزیاں کریں گے۔

پونے چھ سو برس جب بیچ سے وہ برگزیدہ بندے الگ کردئے گئے ہوں، جو ان کے اس فطری داعیہ کو اعتدال پر لگایا کرتے ہیں اور صحیح رخ پر لگاتے ہیں، تو خود اندازہ کیجئے بعثت نبوی سے پہلے کیا حال ہوگا۔

اسلام سے پہلے کی حالت | اگر اختصار کے ساتھ ہم ان حالات کی طرف اشارہ بھی کریں، تو کہنا پڑے گا کہ پوری دنیا شرور و فتن کی آماجگاہ بنی ہوئی تھی، امن و امان ناپید تھا، صلح و آشتی کا نام و نشان مٹ چکا تھا، یکجہتی و یگانگت کو لوگ بھول چکے تھے، اور ان کی جگہ فتنہ و فساد کی گرم بازاری تھی، قتل اور خونریزی کا عام چرچا تھا اور رہزنی اور چوری کی وبا نے امن و سکون کو خاکستر کر رکھا تھا، عام طور پر جو مضبوط تھے کمزوروں کو قتل کر ڈالتے تھے، جو قوی تھے وہ ناتوانوں کو بے دردی سے پیس رہے تھے اور ناممکن تھا کہ کوئی مالی سرمایہ لے کر تنہا ایک جگہ سے دوسری جگہ بے خطر جا سکے۔

عداوت و سنگدلی | حد یہ ہے کہ باپ اپنے معصوم بچوں پر ترس نہ کھاتا تھا، مائیں اپنی ننھی منی بچیوں

کو گود سے پھینکنے پر آمادہ ہو جاتی تھیں، ایک پڑوسی دوسرے پڑوسی کا احترام کرنے کو تیار نہ تھا، اور انسان انسان سے محبت اور پیار کا سلوک فراموش کر چکا تھا، قرآن پاک نے ان کے ان عیوب کی طرف بڑا بلیغ اشارہ فرمایا ہے، اور امن و امان کے بنیادی مرض کی نشاندہی کی ہے۔

وَكُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ	تم باہم ایک دوسرے کے دشمن تھے، اس نے تمھارے دلوں کو جوڑ دیا

سنگ دل ماں اور بے رحم باپ کے ظلم و ستم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اعلان کیا

وَإِذَا الْمَوْءُودَةُ سُئِلَتْ بِأَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ	اور اس وقت کو یاد کرو، جب لڑکی کے متعلق سوال کیا جائے گا کہ وہ کس جرم میں زندہ درگور کی گئی

بچوں کا قتل جہاں بچوں کے قتل سے رب العالمین نے منع فرمایا ہے۔ وہیں سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اہلِ مکہ فقر و فاقہ کو حیلہ بنا کر قتلِ ناحق کا خون اپنی گردن پر اٹھاتے تھے اس کے علاوہ قرآن نے مشرکین کی اس رسمِ قبیح کو صراحتاً بھی بیان کیا ہے ارشادِ ربانی ہے

وَكَذَٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ قَتْلَ أَوْلَادِهِمْ شُرَكَاؤُهُمْ لِيُرْدُوهُمْ وَلِيَلْبِسُوا عَلَيْهِمْ دِينَهُمْ (الانعام۔ ۱۲)	اور اسی طرح بہت سے مشرکوں کو ان کے شریکوں نے اپنی اولاد کا قتل کرنا بھلا کر کے دکھایا تاکہ وہ ان کو ہلاک کریں اور اپنے دین کو مشتبہ کریں

ابن کثیرؒ لکھتے ہیں

كذالك زينوا لهم قتل اولادهم خشية الاملاق ووأد البنات خشية العار (تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص۱۵۹)	ایسا ہی شیاطین نے ان مشرکوں کے لئے فقر و فاقہ کے اندیشہ سے اولاد کے قتل اور ننگ و عار کے (موہوم) خطرہ سے بچیوں کے زندہ درگور کرنے کو محبوب مشغلہ بنا رکھا تھا

نسل کشی کا رواج شیطان نے انسانوں کی عقل پر پردہ ڈال رکھا تھا جس کا نتیجہ یہ تھا کہ یہ بھی

بے وقوفی اور حماقت میں مبتلا تھے، اور اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو تباہ کر رہے تھے، سوچیئے انسان اپنی نسل کو ترقی دیتا ہے، ساری مصیبتیں جھیل کر بال بچوں کی پرورش کرتا ہے مگر اُن کا حال یہ تھا کہ یہ خود اپنے ہاتھوں اپنی نسل کشی کے فرائض انجام دے رہے تھے، قرآن نے ان کی اس حماقت کا بھی تذکرہ کیا ہے، ارشاد ہے

قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْٓا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًاۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّحَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ، اِفْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ قَدْ ضَلُّوْا وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ (الانعام ـ ۱۶)

بے شک وہ لوگ گھاٹے میں ہیں جنہوں نے ناسمجھی سے بغیر علم کے اپنی اولاد کو قتل کیا اور اللہ پر جھوٹ باندھ کر ان چیزوں کو حرام ٹھہرایا، جو اللہ نے ان کو رزق دیا، بے شک وہ بہک گئے اور راہ پر نہ آئے۔

بچیوں کا قتل تو عام تھا کہ یہ غریب باعث ننگ عار سمجھی جاتی تھیں، لیکن حد یہ ہے کہ بچوں کے قتل پر بھی جری تھے، جس میں ننگ و عار کی کوئی بات نہ تھی، محض فقر کا خطرہ تھا، اور خطرہ بھی کیا بلکہ یوں کہئے صرف شیطانی وسوسہ۔

انهم كانوا يقتلون اولادهم كما سولت لهم الشياطين ذالك فكانوا يئدون البنات ..... وربما قتلوا بعض الذكور خشية الافتقار (ابن کثیر ج ۲ ص ۱۸۲)

یہ مشرکین اپنے بچوں کو قتل کر دیا کرتے تھے جس کا شیطانوں نے ان کو سبق پڑھا رکھا تھا پھر بے دردی سے بچیوں کو زندہ درگور کر دیتے اور بسا اوقات محتاجی کے اندیشہ سے بھی بعض بچوں کو موت کے گھاٹ اتارا کرتے تھے،

اسلام کا اصلاحی قدم | اسلام نے ان لوگوں کو سختی کے ساتھ بچوں کے قتل سے روکا اور جو فقر و فاقہ کا شیطانی وسوسہ ان پر مسلط ہو چکا تھا، اس سے ان کو نکالنے کی جدوجہد کی، ان کو یقین دلایا کہ ساری مخلوقات کے رزق کی فراہمی رب العالمین کے ذمہ ہے، وہ ہر ایک کی روزی کا سامان کرے گا۔

وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ	اور زمین پر کوئی چلنے والا نہیں ہے مگر اللہ پر
إِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا	اس کی روزی ہے

امن وامان کی سعی اور بچوں کے قتل کی ممانعت | ساتھ ہی رب العالمین نے قتلِ اولاد کے مسئلہ میں رزق کے خدشہ کو دفع کیا اور وضاحت کے ساتھ فرمایا

لا تقتلوا اولادکم من املاق	نہ قتل کرو اپنی اولاد کو تنگ دستی کے سبب سے
نحن نرزقکم وایاھم (الانعام ۱۹)	تمھیں اور ان کو ہم ہی روزی دیتے ہیں۔

انسان کی خام عقلی ملاحظہ کیجئے کہ اس نے اپنے کو رزّاق سمجھ رکھا تھا حالانکہ وہ خود بھی اس سلسلہ میں محتاجِ محض ہے پروردگارِ عالم کا احسان ہے کہ اس نے انسانوں کو یقین دلایا کہ ہم جس طرح تم کو رزق دے رہے ہیں اسی طرح تمھارے بچوں کو بھی حاصل ہوتا رہے گا تم اس فکر میں اپنے کو نہ ڈالو اور امن وامان کے خلاف جس فتنہ و فساد کی مشق بہم پہنچا رہے ہو، اسے فوراً بند کرو۔ پھر سوچو تو سہی کہ محض ایک شبہ کی وجہ سے جو شیطانی پیداوار ہے، بچوں کا قتل کون سی دانشمندی ہے، چنانچہ دوسری جگہ اسی مسئلہ کو اس طرح بیان فرمایا گیا

ولا تقتلوا اولادکم خشیۃ	اور اپنی اولاد کو محتاجی کے خوف سے قتل نہ کرو،
املاق نحن نرزقھم وایاکم	ہم ان کو بھی روزی دیں گے اور تم کو بھی، بے شک
ان قتلھم کان خطاً کبیراً	ان کا قتل کرنا بڑا بھاری گناہ ہے۔

عرب میں قتلِ اولاد کی بنیاد دو تھیں، ایک، کوئی مفلس ہوتا وہ قتل کر دیتا کہ ہم تو پریشاں حالی سے زندگی گذارتے ہیں، یہ کہاں پرورش پائے گا، دوسرا وہ شخص بھی بچوں کو قتل کر دیا کرتا، جو کھاتا پیتا ہوتا، اور یہ محض اس اندیشہ سے کہ بچوں کے بڑھ جانے سے، فقر و فاقہ کی نوبت آسکتی ہے، جیسا کہ ہمارے اس زمانہ میں بھی عام طور پر سوچا جانے لگا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان دونوں صورتوں سے سختی کے ساتھ منع کیا اور انسانی جان کا تحفظ

کیا، ساتھ ہی جہاں سے لوگوں میں سنگ دلی اور خوں ریزی کا جذبہ پیدا ہوتا تھا، اس سوراخ کو مضبوطی سے بند کیا۔

قتل اور اسلامی تعلیمات | اسلام نے قتل اور خوں ریزی کو اولاً ترغیب و ترہیب کے ذریعہ بند کرنے کی جدوجہد کی ہے اور لوگوں کے دلوں میں خونِ ناحق کی برائی بٹھانے کی سعی کی ہے، پھر ان مفاسد پر روشنی ڈالی ہے، جو خونِ ناحق سے پیدا ہوتے ہیں ساتھ ہی امن و امان سے اس کا جو گہرا رشتہ ہے اسے اجاگر کیا ہے تاکہ انسان اس گناہ سے اپنے آپ کو بچا سکے ارشادِ ربانی ہے

ولا تقتلوا النفس التی حرّم اللہ الا بالحق (بنی اسرائیل - ۴) اور جان کو جسے اللہ نے محترم کیا ہے ناحق قتل نہ کرو۔

آگے اس کا بھی بیان ہے کہ مقتول کے وارث شرعاً قصاص کا اختیار رکھتے ہیں، مگر چونکہ بعثتِ نبوی سے پہلے ردِ عمل کے نام پر بدلہ سود در سود لیا کرتے تھے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے مقتول کے وارث کو بھی اس زیادتی سے روکا ہے، کیوں کہ اگر یہ نہ ہو تو قصاص کا منشا ہی فوت ہو جائے گا، اور چوں کہ مقتول کے وارث غم و غصہ میں اعتدال سے عادۃً تجاوز کے عادی تھے، اس لئے اس پر قید و بند لگانی ضروری تھی، چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے

ومن قتل مظلوماً فقد جعلنا لولیہ سلطاناً فلا یسرف فی القتل انہ کان منصوراً (بنی اسرائیل ۴) اور جو شخص ظلم سے مارا جاتے، ہم نے اس کے وارث کو غلبہ دیا ہے تو اس کو چاہیے کہ وہ قتل میں (یعنی بدلہ لینے میں) زیادتی نہ کرے، بلا شبہ اس کی مدد کی گئی ہے۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے تفسیری ترجمہ میں تحریر فرماتے ہیں

"اور جس شخص کے قتل کرنے کو اللہ تعالیٰ نے قواعدِ شرعیہ کی رو سے حرام فرمایا ہے، اس کو قتل مت کرو، ہاں مگر حق پر قتل کرنا درست ہے، یعنی جب وجوب یا اباحتِ قتل کا کوئی سببِ شرعی پایا جائے اور اس وقت وہ "حرّم اللہ" میں داخل نہیں، اور

جو شخص ناحق قتل کیا جائے، تو ہم نے اس کے وارث حقیقی یا حکمی کو قصاص لینے کا شرعًا اختیار دیا ہے، سو اس کو قتل کے بارے میں حدِ شرع سے تجاوز نہ کرنا چاہیئے یعنی قاتل کے علاوہ کسی اور کو قتل نہ کرے، کیوں کہ وہ شخص زیادتی نہ کرنے کی صورت میں تو شرعًا طرف داری کے قابل ہے، اور زیادتی کرنے سے فریق ثانی طرفداری کے قابل ہو جاوے گا۔ اس لئے زیادتی کر کے منصوریت سے خارج نہ ہونا چاہیئے[1]

قتل کے شرعی وجوہ | تین صورتیں ہیں جن میں قتل جائز ہے ایک یہ کہ کسی کو کوئی ناحق قتل کر دے دوسرے یہ کہ کوئی شادی شدہ زنا کرے اور اس کا زنا ثابت ہو جائے، تیسرے مرتد جو اپنے دینِ برحق کو چھوڑ کر پھر جائے، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

لا یحل دم امرأ مسلم یشہد	اس مسلمان کا خون حلال نہیں ہے جو خدا
ان لا الہ الا اللہ وانی رسول	کی وحدانیت اور رسول کی رسالت کی شہادت
اللہ الا باحدی ثلاث الثیب	دے مگر تین مجرم میں سے کسی کو بھی قتل کرنا البتہ
الزانی، والنفس بالنفس	جائز ہے شادی شدہ زناکار اور قاتل نفس
والتارک لدینہ المفارق للجماعۃ	اور تیسرا وہ شخص جو دین سے پھر جائے اور جماعت
(للستۃ الا مالکا) (جمع الفوائد ج۱ صفحہ ۲۷۵)	سے کٹ جائے۔

خدا کے نیک بندے اور قتل | اللہ تعالیٰ نے جہاں اپنے نیک بندوں کے صفات گنائے ہیں، وہاں یہ صفتیں بھی بیان کی ہیں

والذین لا یدعون مع اللہ الٰہا	اور وہ لوگ جو اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو
اٰخر ولا یقتلون النفس التی حرم	نہیں مانتے اور نہ اس جان کو ناحق قتل کرتے ہیں
اللہ الا بالحق ولا یزنون، ومن	جسے اللہ نے محترم بنایا، اور نہ زنا کرتے ہیں،
یفعل ذالک یلق اثاما یضاعف	اور جو یہ کام کرے گا وہ گناہ میں پڑے گا (اور)
لہ العذاب یوم القیامۃ ویخلد	قیامت کے دن اس کو دونا عذاب ہوگا،

[1] بیان القرآن جلد ۶ صفحہ

نیچہ ٹھاتا (الفرقان - ٦) اور ذلیل ہو کر اس میں مبتلا رہے گا

جس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ کے محبوب بندوں کی صفات میں جہاں یہ صفت ہے کہ وہ شرک و کفر سے بیزار ہوتے ہیں وہیں یہ بھی صفت ہے کہ وہ قتلِ ناحق سے الگ تھلگ رہتے ہیں، اور جو ان کی خلاف ورزی کرتا ہے، وہ سخت عذاب میں گرفتار کیا جاتا ہے، گویا ناحق خون بہانا شانِ ایمان کے سراسر منافی ہے۔

قتلِ ناحق کی ممانعت | اسی طرح قرآن نے ایک جگہ تفصیل بیان کی ہے کہ پروردگارِ عالم نے اپنے بندوں پر کون سے کام حرام کئے، وہاں ان حرام کاموں میں قتلِ ناحق کو بھی بیان کیا ہے ارشادِ رب العزت ہے

ولا تقتلوا النفس التی حرم اللہ	اور نہ مار ڈالو اس جان کو جس کو اللہ نے حرام کیا
الا بالحق ذالکم وصاکم بہ لعلکم	مگر حق پر، اس کی تم کو تاکید کر دی ہے کہ شاید
تعقلون۔ (الانعام - ١٩)	تم سمجھ لو۔

خونریزی اسلام کی نظر میں | اسلام نے سے بھی واضح کیا ہے کہ قتلِ ناحق سب سے بڑا جرم ہے، اس سے بڑا کوئی اور جرم نہیں اس لئے کہ یہ روئے زمین سے امن وامان کو برباد کر دینے والی چیز ہے اور انسان کے سکونِ دل کو سلب کر لینے والی بیماری، اس سلسلہ میں جو سب سے زیادہ بلیغ تعبیر ہو سکتی ہے، اسے قرآن نے اختیار کیا ہے تاکہ قتل کی شناعت اچھی طرح ذہن نشین ہو سکے، غور کیجئے اللہ تعالیٰ کس اہمیت کے ساتھ بیان کرتے ہیں ارشاد ہے

من قتل نفسا بغیر نفس او فساد	جو کسی جان کو بغیر کسی جان کے بدلہ یا بغیر ملک
فی الارض فکانما قتل الناس	میں فساد کرنے پر مار ڈالے، تو گویا اس نے مار
جمیعا ومن احیاھا فکانما احیا	ڈالا تمام لوگوں کو، اور جس نے جلایا ایک جان
الناس جمیعا (المائدہ - ٥)	کو تو گویا اس نے جلایا سب لوگوں کو۔

امن وامان کے برقرار رکھنے کی جو بلیغ تعبیر اللہ تعالیٰ نے یہاں اختیار فرمائی ہے،

اس سے بڑھ کر دوسرا پیرائیہ بیان ممکن ہی نہیں ہے اس کے مختلف معنی بیان کئے گئے ہیں کہ ایک جان کے قتل کو تمام کائناتِ انسانی کے قتل سے کیوں تعبیر کیا گیا جس کی تفصیل کتب تفسیر میں دیکھی جا سکتی ہے یہاں مجھے طبری کا یہ بیان پسند ہوا

واختار الطبری ان المراد بذالک	یعنی طبری فرماتے ہیں کہ اس آیت میں عقوبت کی
تعظیم العقوبۃ وشدۃ الوعید	عظمت اور وعید کی شدت کا بیان ہے اور بتانا
من حیث ان قتل الواحد وقتل	ہے کہ ایک انسان کا ناحق قتل اللہ تعالیٰ کے غضب
الجمیع سواء فی استیجاب غضب	اور عذاب کو اسی طرح حرکت میں لے آتا ہے جس
اللہ وعذابہ (فتح الباری - ج ۱۲ ص ۱۶۸)	طرح تمام انسانوں کا قتل ۔

یہ جرم عظیم تو ہے ہی لیکن سوچنے سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ جب کسی جرم کا دروازہ ہمت کر کے کوئی کھول ڈالتا ہے، تو پھر وہ عام گذر گاہ کی حیثیت اختیار کر لیتا ہے، اور عام لوگوں کے سامنے یہ ایک بُری مثال آجاتی ہے جو بسا اوقات ان کو اس جرم پر جری بنا دیتی ہے، اور جو اہمیت عام طور پر پہلے ذہنوں میں راسخ ہوتی ہے، وہ بتدریج ختم ہونے لگتی ہے، اس لئے جو ناحق ایک بے گناہ کو قتل کرتا ہے، درحقیقت وہ سیکڑوں کے قتل کا سامان فراہم کر جاتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی اہمیت کے پیش نظر فرمایا

ابغض الناس ثلثۃ ملحد فی الحرم	مبغوض ترین تین ہیں حرم میں الحاد کا مرتکب،
ومبتغ فی الاسلام سنۃ الجاھلیۃ	اسلام میں مراسم جاہلیت کو رواج دینے والا
ومطلب دم امرأ بغیر حق لیھریق	اور ناحق کسی کے خون کا خواہش مند کہ اس کا

دمہ (بخاری باب من طلب دم امرأ بغیر حق) وہ خون بہائے ۔

قتل و قتال خلیفہ راشد کی نظر میں | منشاء یہ ہے کہ گناہگاروں میں مبغوض ترین یہی لوگ ہیں، چنانچہ صحابہ کرام نے اس مسئلہ کو خوب سمجھا تھا حضرت ابو ہریرہؓ کا بیان ہے کہ جن دنوں باغیوں

نے خلیفۂ اسلام ذی النورین حضرت عثمان غنیؓ کو اپنے محاصرہ میں لے لیا تھا، میں کسی طرح خدمت عثمانی میں حاضر ہوا اور درخواست کی کہ حضرت! میں امداد کے لئے حاضر ہوا ہوں، حضرت ابو ہریرہؓ کا بیان ہے کہ مری باتیں سن کر فرمایا

ایسرک ان تقتل الناس جمیعا وایای معھم (ابن کثیر ج ۲ ص۴۲)	کیا آپ کو یہ بات خوش کرے گی کہ آپ تمام لوگوں کو قتل کر ڈالیں اور ان کے ساتھ مجھے بھی۔

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے جواب دیا، حضرت! یہ تو ہرگز پسند نہیں ہے، حضرت عثمانؓ نے میرا یہ جواب سن کر فرمایا

فانک ان قتلت رجلا واحدا فکانما قتلت الناس جمیعا (ج ۲ ص۴۲)	جب یہ ہے تو اگر آپ کسی ایک کو قتل کریں گے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ نے گویا کل کو قتل کر ڈالا

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں واپس چلا آیا، اور جس مقصد سے گیا تھا اس میں ہاتھ نہیں ڈالا، پھر تاریخ شاہد کہ حضرت ذی النورینؓ نے خود جام شہادت نوش جاں فرمانا تو قبول کیا مگر تلوار اُٹھانے کی اجازت نہ دی۔

یہ تھا عمل اور عملی تفسیر قرآنی آیت کی، اور یہ منزلت تھی امیر المؤمنین کی نظر میں امن وامان کے قیام کی، جس کا اس دور میں تصور بھی ممکن نہیں ہے۔

قتل کی تاریخ | اللہ تعالیٰ نے قرآن میں قتل کی تاریخ بھی بیان کی ہے تاکہ لوگوں کو اس سے عبرت ہو اور سنجیدگی سے اس کے نشیب وفراز پر غور کر سکیں، ساتھ ہی اپنے انداز بیان میں اس نے اشارہ کیا ہے کہ اس کی بُنیاد بغض وحسد پر عموماً ہوا کرتی ہے گویا یہ کام صرف کسی مفاد ہی کے پیش نظر نہیں ہوتا بلکہ عادۃً جذباتِ حسد کی تسکین کے لئے کیا جاتا ہے، ارشادِ ربانی ہے:

واتل علیھم نبأ ابنی ادم بالحق اذ قربا قربانا فتقبل من احدھما ولم یتقبل من الاخر قال لاقتلنک	اور اے محمد! آپ ان کو آدم کے دو بیٹوں کا واقعہ پڑھ کر سنائیے، جب کہ ان دونوں نے اللہ کے نام کی ایک ایک نیاز پیش کی، اور ان میں سے

ایک کی مقبول ہوگئی اور دوسرے کی مقبول نہ ہوئی وہ جھلا کر کہنے لگا میں تجھ کو ضرور قتل کروں گا (المائدہ - ۵)

یہ پورا واقعہ کئی آیتوں میں پھیلا ہوا ہے اس کا خلاصہ حضرت تھانوی کی زبانِ قلم سے سنیئے:

"اے محمد! آپ ان اہل کتاب کو حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کا یعنی ہابیل قابیل کا قصہ صحیح طور پر پڑھ کر سنا دیجئے .... اور یہ قصہ اس وقت ہوا تھا، جب کہ دونوں نے اللہ تعالیٰ کے نام کی ایک ایک نیاز پیش کی، اور ان میں سے ایک کی یعنی ہابیل کی تو مقبول ہوگئی اور دوسرے کی یعنی قابیل کی مقبول نہ ہوئی .... جب وہ دوسرا اس میں بھی ہارا، تو جھلا کر کہنے لگا، میں تجھ کو ضرور قتل کروں گا، اس کا ایک (ہابیل) نے جواب دیا، کہ تیرا ہارنا تو ناحق پرستی کی وجہ سے ہے، مری کیا خطا؟ کیوں کہ خدا تعالیٰ متقیوں کا ہی عمل قبول کرتے ہیں، ..... سو اس میں تری خطا ہے یا مری، تو ہی انصاف کر، لیکن اگر پھر بھی تیرا ارادہ ہے تو تو جان، میں نے تو سیخنتہ قصد کر لیا ہے کہ اگر تو مجھ پر مرے قتل کرنے کے لئے دست درازی کرے گا تب بھی میں تجھ پر ترے قتل کرنے کے لئے ....

... ہرگز دست درازی کرنے والا نہیں، کیوں کہ میں تو پروردگار عالم سے ڈرتا ہوں۔

... میں تو یوں چاہتا ہوں کہ مجھ سے کوئی گناہ کا کام نہ ہو، گو مجھ پر کتنا ہی ظلم کیوں نہ کرے .... پھر تو دوزخیوں میں شامل ہو جاوے، اور یہی سزا ہوتی ہے ظلم کرنے والوں کی، ..... یہ جو سنا کہ مدافعت نہ کرے گا، چاہیئے تو یہ تھا کہ گداختہ ہو جاتا مگر ...

اس کے جی نے اس کو اپنے بھائی کے قتل پر آمادہ کر دیا، پھر آخر اس کو قتل ہی کر ڈالا، جس سے کم بخت بڑے نقصان اٹھانے والوں میں شامل ہو گیا" [۱]

قتل ناحق اور اس کا انجام قرآن کے اس تاریخی واقعہ کو بغور مطالعہ کیجئے، تو کتنی ہی باتیں سمجھ میں آئیں گی، اولاً یہ کہ قتل پر کوئی خدا ترس آمادہ نہیں ہو سکتا، یہ ان لوگوں کا کام ہو سکتا ہے۔

---

[۱] بیان القرآن ج ۳ ص ۲۲

جو خدا کا خوف دل میں نہیں رکھتے، ثانیاً یہ کہ اس کی عمومی وجہ بغض و حسد ہوتی ہے، ثالثاً یہ کہ قاتل خدا کے احکام کا باغی ہے اور سخت گنہ گار، رابعاً یہ کہ قاتل نفع میں نہیں رہتا، بلکہ سخت خسارہ میں ہوتا ہے، صحیحین میں ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

لا تقتل نفس ظلماً الا کان علی	جب بھی کوئی جان ظلم کی وجہ سے قتل کی جاتی
ابن آدم الاول کفل من دمها	ہے تو اس کے خون کا ایک حصہ آدم کے اس
لانه اول من سن القتل	پہلے فرزند پر آتا ہے، جس نے قتل کی بنیاد ڈالی
(مسلم ج ۲ ص ۶۰)	کیوں کہ اس سلسلہ میں پہلا مجرم وہی شخص ہے

تجزیہ کیجئے تو معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں تفصیل سے آدم علیہ السلام کے بیٹوں کا واقعہ اس لئے بیان کیا تاکہ لوگ اس کی قباحت کو محسوس کریں، اور اس گناہ سے ہمیشہ اپنے آپ کو دور رکھنے کی کوشش کریں، یہ جو حدیث نقل کی گئی اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قتل کا موجد جس طرح سارے قتل و خون کے ایک بڑے حصہ گناہ کا بار اپنی گردن پر اٹھاتا ہے کم و بیش یہی حال اس کا بھی ہے جو پہلے پہل کسی آبادی میں اس خونِ ناحق کا رواج ڈالتا ہے حدیث میں آیا ہے

من سن فی الاسلام سنة سیئة	جو شخص اسلام میں کسی بُری رسم کو رواج دیتا ہے
کان علیه وزرها ووزر من عمل	اس پر اس برائی کا گناہ اور ساتھ ہی قیامت
بها الی یوم القیامة (فتح الباری ج ۱۲ صفحہ ۱۶)	تک جتنے لوگ اس برائی کو کرتے ان کا گناہ ہوتا ہے

انسانی جان کے احترام پر بیعت انسانی جان کی قدر و قیمت جو اسلام کی نظر میں ہے، کہیں اور اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا ہے، رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب اسلام کے لئے بیعت لیا کرتے تھے تو جہاں دوسری ضروری باتوں کا اقرار لیا کرتے وہاں اس کا بھی اقرار لیتے کہ قتل نہ کریں گے۔

حضرت عبادہ بن صامت رضؓ خود فرماتے ہیں کہ میں ان نقباء میں سے ہوں جنھوں نے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیعت کن چیزوں کی لیا کرتے تھے، اور انھوں نے کن امور پر بیعت کی، خود بیان فرماتے ہیں۔

بایعناہ علی ان لانشرک باللہ شیئا ولا نزنی ولا نسرق ولا نقتل النفس التی حرم اللہ ولا ننھب الخ (بخاری باب من احیاہا)	ہم نے آنحضرتؐ سے اس بات پر بیعت کی کہ اللہ کا کسی کو شریک نہ بنائیں گے، زنا نہ کریں گے، چوری نہ کریں گے، جس جان کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے اس کو قتل نہ کریں گے اور لوٹ مار نہ کریں گے

غور کریں کہ اسلام امن وامان پر کس قدر زور دیتا ہے، اور انسانی جان کی قیمت کو کس طرح اُجاگر کرتا ہے، بُنیادی عقائد میں داخل ہے کہ جس طرح آدمی توحید کا اقرار کرے، اس کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ قتلِ ناحق، چوری، ڈکیتی اور فتنہ وفساد سے بھی الگ تھلگ رہنے کا اقرار کرے۔

عورتوں سے بیعت | قرآنِ پاک نے جہاں عورتوں کے بیعت کا تذکرہ کیا ہے، وہاں اس کا بھی بیان ہے کہ عورتیں اس پر بھی بیعت کیا کرتی تھیں۔

لا یقتلن اولادھن (ممتحنہ۔۲)	کہ وہ سب عورتیں اپنے بچوں کو قتل نہ کریں گی

اسی طرح ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام کی ایک جماعت کو مخاطب کرکے فرمایا کہ تم سب اس بات پر بیعت کرو کہ شرک سے گریزاں رہوگے، چوری نہ کروگے زنا میں مبتلا نہ ہوگے، اور اپنے بچوں کو قتل نہ کروگے، اور اسی طرح کی اور باتیں، صحابۂ کرام کا بیان ہے

فبایعناہ علی ذالک (بخاری ج۱ صٓ)	چنانچہ ہم نے آں حضرت صلعم سے ان چیزوں پر بیعت کی

سب سے بڑا گناہ | حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا، ای الذنب اعظم عند اللہ (خدا کے یہاں سب سے بڑا گناہ کون سا ہے)

فرمایا یہ کہ تم خدا کا کسی کو شریک وہمسر بناؤ (ان کا بیان ہے کہ پھر میں نے سوال کیا ثم ای (کہ شرک کے بعد سب سے بڑا گناہ کونسا ہے) آپ نے فرمایا

ثم ان تقتل ولدک مخافۃ ان یطعم معک (مسلم ج ۱ ص ۶۳)

پھر یہ کہ تو اپنے بچوں کو اس اندیشہ سے مار ڈالے کہ وہ تیرے ساتھ کھائیں گے۔

امام نوویؒ لکھتے ہیں

ان اکبر المعاصی الشرک وھذا ظاھر لا خفاء فیہ وان القتل بغیر حق یلیہ ولذا قال اصحابنا اکبر الکبائر بعد الشرک القتل وکذا نص علیہ الشافعی (شرح مسلم ج ۱ ص ۶۳)

سب سے بڑا گناہ شرک ہے جو ظاہر ہے اور جس میں کوئی خفا نہیں، اور پھر بلاشبہ قتل ناحق بھی اسی کے لگ بھگ ہے اور اسی وجہ سے ہمارے اصحاب نے کہا کہ شرک کے بعد اکبر الکبائر قتل ناحق ہے اور امام شافعی نے بھی ایسی ہی صراحت کی ہے

قتل اور اس کا گناہ ایک دفعہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سات مہلک چیزوں سے اجتناب کرو، پوچھا گیا وہ کیا ہیں، تو آپ نے فرمایا

الشرک باللہ وقتل النفس التی حرم اللہ الا بالحق الخ (مسلم ج ۱ ص ۶۴)

اللہ کا شریک بنانا اور اس جان کو قتل کرنا جسے اللہ نے قتل کرنا حرام کیا ہاں حق کے لئے البتہ گنجائش ہے۔

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف انداز میں قتل اور خوں ریزی کی شناعت ذہن نشین کرنے کی سعی فرمائی ہے ایک دفعہ آپ نے خونِ ناحق کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا

لن یزال المومن فی فسحۃ من دینہ مالم یصب دما حراما (بخاری کتاب الدیات ج ۲ ص ۱۰۱۴)

مومن جب تک ناحق خوں ریزی میں مبتلا نہیں ہوتا اپنے دین کے باب میں کشادگی میں رہتا ہے

کتنا مؤثر انداز بیان ہے کہ آدمی پڑھنے کے ساتھ اس دعا میں منہمک ہوجاتا کہ پروردگار

عالم ہمیں اس بڑے گناہ سے محفوظ رکھنا۔

مسلمان کا احترام | اب تک عموماً ایسی آیتیں اور حدیثیں نقل کی گئی ہیں جن سے نفس قتلِ ناحق سے روکا گیا ہے، اور انسانی جان کی قدر و قیمت اُجاگر ہوتی ہے، لیکن انسان جب ایمان کے دائرہ میں داخل ہو جائے، اور مسلمان و مومن بن جائے تو اس کی قدر و منزلت بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے، جیسا کہ ابھی معلوم ہوگا، یہ تو درست ہے کہ انسانی جان کی قیمت بہت زیادہ ہے ہی، مگر ایمان کے بعد مومن جان کی قیمت عام انسانی جان سے بھی زیادہ ہو جاتی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ دراصل خدا کی امانت اور اس کی ملک ہو جاتی ہے، قرآن میں بتایا گیا ہے اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی جانوں کو جنت کے بدلہ میں خرید لیا ہے، اس لئے قدرتی طور پر بھی اس کی قدر و منزلت دو چند ہونا ہی چاہیئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

ومن یقتل مومنا متعمدا فجزاءہ	اور جو کسی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کرے گا
جہنم خالدا فیہا وغضب اللہ علیہ	اس کی سزا دوزخ ہے وہ اسی میں رہے گا اور
ولعنہ واعد لہ عذابا عظیما (النساء)	اللہ کا اس پر غضب ہوگا اور اس کی لعنت،
	اور اس نے اس کے لئے بڑا بھاری عذاب تیار کیا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

کل ذنب عسی اللہ ان یغفر الا من	ہر گناہ کے متعلق امید ہے کہ اللہ معاف کر دے
مات مشرکا، او من قتل مومنا	سوائے اس شخص کے جو شرک مرے یا جو کسی
متعمدا۔ (ابی داؤد، جمع الفوائد	مسلمان کو جان بوجھ کر ناحق مار ڈالے۔
ج ۱ ص ۲۷۸)	

یہ منشا نہیں ہے کہ مومن کو جو مسلمان قتل کرے اس کی بخشائش نہ ہوگی، بلکہ اس کی اہمیت جتانے کے لئے یہ انداز بیان اختیار کیا گیا ہے کہ مومن کی جان اس قدر قیمتی ہے کہ جو

اسے ناحق ضائع کرے وہ اس قابل باقی نہیں رہتا ہے کہ اس پر رحم کیا جائے۔

مومن کا قتل اسلام کی نظر میں | ایک دفعہ مومن کی جان کی قدر و قیمت کا اظہار کرتے ہوئے آپ نے فرمایا

قتل المومن اعظم عند اللہ من زوال الدنیا۔ للنسائی	دنیا کے تہ و بالا ہونے سے بڑی بات اللہ کے نزدیک مومن کو مار ڈالنا ہے

(جمع الفوائد ج ۱ ص ۴۲۷)

ایک دفعہ دوسرے انداز میں مسلمانی جان کی اہمیت آپ نے اس طرح ظاہر فرمائی

لو ان اھل السماء و اھل الارض اشترکوا فی دم مومن لاکبھم اللہ فی النار۔ للترمذی (ایضاً)	اگر تمام زمین و آسمان والے بھی کسی مسلمان کے خون میں شریک ہوں گے تو اللہ تعالیٰ ان کو جہنم میں اوندھا ڈال دے گا

ترمذی کی ایک حدیث ہے

زوال الدنیا کلھا اھون علی اللہ من قتل رجل مسلم قال الترمذی حدیث حسن صحیح	ساری دنیا کی بربادی ایک مسلمان کے قتل کے مقابلہ میں اللہ کے نزدیک بالکل بے قیمت ہے

(فتح الباری ج ۱۲ ص ۱۶۶)

ان احادیث کو بغور پڑھا جائے اور سوچا جائے کہ رب العالمین نے مسلمانوں کو کس شد و مد کے ساتھ قتل و خوں ریزی سے منع کیا ہے، اور کیا اس انداز بیان کے بعد کسی مسلمان کو جرأت ہو سکتی ہے کہ وہ اس جرم میں مبتلا ہو کر اپنے آپ کو برباد کرے۔

(باقی آئندہ)